© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

تعبیرِ دستور کا حق

سوال ۔ دستور کی تعبیر کا حق کس کو ہونا چاہیے ؟ مقننہ کو یا عدلیہ کو ؟ سابق دستور میں یہ حق عدلیہ کو تھا اور موجودہ دستور میں یہ حق عدلیہ سے چھین کر مقننہ کو ہی دے دیا گیا ہے ۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ عدالتوں کے اختیارات کو کم کر دیا گیا ہے اور یہ حق عدلیہ کے پاس باقی رہنا چاہیے ۔ اس مسئلہ پر ایک صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ اسلام کے دورِ اوّل میں عدالتوں کا کام صرف مقدمات کا فیصلہ کرنا تھا ۔ قانون کی تشریح اور تعبیر کا حق عدالتوں کو نہ تھا اور نہ عدالتیں یہ طے کرنے کی مجاز تھیں کہ قانون صحیح ہے یا غلط ۔ یہ رائے کہاں تک درست ہے ؟

جواب ۔ موجودہ زمانے کے قانونی و دستوری مسائل پر اسلام کے دورِ اوّل کی نظیریں چسپاں کرنے کا رجحان آج کل بہت بڑھ گیا ہے ۔ لیکن جو لوگ اس طرح کے استدلال کرتے ہیں وہ ہمیشہ اس عظیم الشان فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو اُس وقت کے معاشرے اور ہمارے آج کے معاشرے میں ، اور اُس وقت کے کارفرماؤں اور اس دور کے کارفرماؤں میں فی الواقع موجود ہے

خلافتِ راشدہ میں خلیفہ خود قرآن و سنت کا بہت بڑا عالم ہوتا تھا اور اس کی متقیانہ سیرت کی وجہ سے مسلمان اُس پر اعتماد رکھتے تھے کہ زندگی کے کسی مسئلے میں بھی اس کا اجتہاد کبھی دین کے راستے سے منحرف نہ ہو گا ۔ اس کی مجلسِ شوریٰ کے ارکان بھی سب کے سب بلا استثناء اس بنیاد پر رکنیت کا شرف حاصل کرتے تھے کہ وہ قوم میں سب سے زیادہ دین کے جاننے اور سمجھنے والے ہیں ۔ اُن کے زمرے میں کوئی ایسا آدمی بار نہیں پا سکتا تھا جو دین سے جاہل ہو ، یا نفسانیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بنا پر دین میں تحریف کرنے والا ہو، یا جس سے مسلمانوں کو کسی بدعت یا غیر اسلامی رجحان کا اندیشہ ہو۔ معاشرے کی عظیم اکثریت بھی اُس وقت دین کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور کوئی شخص اُس ماحول میں یہ جرأت نہ کر سکتا تھا کہ اسلام کے احکام اور اس کی رُوح کے خلاف کوئی حکم دے یا کوئی قاعدہ وضابطہ جاری کرے۔ یہی بلند معیار اُس وقت کی عدالتوں کا بھی تھا۔ منصبِ قضا پر وہ لوگ سرفراز ہوتے تھے جو قرآن وسنت میں گہری بصیرت رکھتے تھے، کمال درجہ کے متقی و پرہیزگار تھے، اور قانونِ خداوندی سے بال برابر بھی تجاوز کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان حالات میں مقننہ اور عدلیہ کے تعلقات کی وہی نوعیت تھی جو ایسے معاشرے میں ہونی چاہیے تھی۔ تمام جج مقدمات کے فیصلے براہِ راست قرآن وسنت کے احکام کی بنیاد پر کرتے تھے، اور جن امور میں اجتہاد کی ضرورت پیش آتی تھی ان میں بالعموم وہ خود اجتہاد کرتے تھے۔ البتہ جہاں معاملات کی نوعیت اس امر کا تقاضا کرتی تھی کہ جج اپنے انفرادی اجتہاد سے فیصلہ نہ کریں بلکہ خلیفہ کی مجلسِ شوریٰ اُن میں شریعت کا حکم متحقق کرے، اُن کے بارے میں اجتماعی اجتہاد سے ایک ایسا ضابطہ بنا دیا جاتا تھا جو دین کے اصولوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مطابقت رکھنے والا ہو سکتا تھا۔ اس نظام میں کوئی وجہ نہ تھی کہ ججوں کو مجلسِ شوریٰ کے بنائے ہوئے قانون پر نظرثانی کرنے کا اختیار ہوتا۔ کیونکہ وہ اگر کسی قانون کو رد کرنے کے مجاز ہو سکتے تھے تو اسی بنیاد پر تو ہو سکتے تھے کہ وہ اصل دستور (یعنی قرآن وسنت) کے خلاف ہے۔ اور قانون وہاں سرے سے کسی ایسے معاملہ میں بنایا ہی نہیں جاتا تھا جس کے متعلق قرآن وسنت میں واضح حکم موجود ہو۔ قانون سازی کی ضرورت صرف اُن معاملات میں پیش آتی تھی جن میں نص موجود نہ ہونے کی وجہ سے اجتہاد ناگزیر ہوتا تھا۔ اور ایسے معاملات میں ظاہر ہے کہ انفرادی اجتہاد کی بہ نسبت اجتماعی اجتہاد زیادہ قابلِ اعتماد ہو سکتا تھا، خواہ بعض افراد کا ذاتی اجتہاد اس سے مختلف ہی کیوں نہ ہو۔

اب ظاہر ہے کہ اُس وقت کی یہ دستوری نظیر آج کے حالات پر کسی طرح بھی چسپاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوتی۔ نہ آج کے حکمراں اور مجالسِ قانون ساز کے ارکان خلفائے راشدین اور ان کی مجلسِ شوریٰ سے کوئی نسبت رکھتے ہیں، نہ آج کے جج اُس وقت کے قاضیوں جیسے ہیں، اور نہ اِس دور کی قانون سازی اُن حدود کی پابند ہے جن کی پابندی اُس دور میں کی جاتی تھی۔ اِس لیے اب آخر اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ ہم اپنے دستوری ضابطے اس وقت کے حالات کو سامنے رکھ کر تجویز کریں اور خلافتِ راشدہ کی نظیروں پر عمل شروع کرنے سے پہلے وہ حالات پیدا کرنے کی فکر کریں جن سے وہ نظیریں عملاً تعلق رکھتی تھیں۔ موجودہ حالات میں جہاں تک شرعی معاملات کا تعلق ہے، آخری فیصلہ نہ انتظامیہ پر چھوڑا جاسکتا ہے، نہ مقننہ پر، نہ عدلیہ پر اور نہ مشاورتی کونسل پر۔ ان میں سے کوئی بھی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مسلمان شرعی امور میں اس پر کامل اعتماد کرسکیں۔ شریعت کو مسخ کرنے والے اجتہادات سے امن میسر آنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ مسلمانوں کی رائے عام کو بیدار کیا جائے اور قوم بحیثیتِ مجموعی اس قسم کے ہر اجتہاد کی مزاحمت کے لیے تیار ہو۔ رہے عام دستوری مسائل، جن میں شریعت کوئی منفی یا مثبت احکام نہیں دیتی، ان میں مقننہ کو آخری فیصلہ کن اختیارات دے دینا بحالاتِ موجودہ خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک غیر جانبدار ادارہ ایسا موجود ہونا چاہیے جو یہ دیکھ سکے کہ مقننہ نے کوئی قانون بنانے میں دستور کے حدود سے تجاوز تو نہیں کیا ہے۔ اور ایسا ادارہ ظاہر ہے کہ عدلیہ ہی ہوسکتا ہے۔

سحری کے اوقات اور ڈاڑھی کی مقدار کا مسئلہ

سوال۔ آج کل بعض حضرات نے مولانا مودودی کے خلاف الزامات تراشی کا جو محاذ قائم کر رکھا ہے اس نے بعض سنجیدہ حضرات کو بھی شکوک و شبہات میں ڈال دیا ہے۔ مولانا کی بعض تحریروں کے خلاف اعتراضات وارد کیے جارہے ہیں، اس لیے ان

© rasailojaraid.com